اپنے خاندان کی توہین سمجھتے تھے۔ وہ صرف مزدلفہ تک جا کر ٹھہرتے تھے۔ باقی تمام عرب عرفات میں جمع ہوتے۔ اس چیز کو مٹانے اور ختم کرنے کے لئے خصوصاً حکم ہوا کہ ''جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعرحرام (مزدلفہ) کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔''

اس روئے زمین پر جو انقلاب برپا ہوئے ان کے تقابلی مطالعہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ان میں سے بعض انقلاب محض سیاسی، بعض اقتصادی، بعض ثقافتی اور بعض وقتی تھے۔ لینن اور ماؤ کا انقلاب محض اقتصادی اور سیاسی تھا، اخلاقی اور روحانی نہ تھا۔ لینن اور ماؤ جدلیاتی مادیت (Dialectical Materialism) کے قائل ہونے کی وجہ سے مابعد الطبیعیات کے سرے سے منکر ہیں۔ پس لینن اور ماؤ کے برپا کئے ہوئے انقلاب بھی ناقص اور ادھورے ہیں۔ مگر داعی انقلاب حضور اکرم ﷺ نے اس روئے زمین پر جو انقلاب برپا کیا وہ اخلاقی بھی تھا روحانی بھی، ثقافتی بھی تھا سیاسی بھی اور اقتصادی بھی، طبیعیاتی (Physical) بھی تھا اور مابعد الطبیعیاتی (Meta Physical) بھی۔

ارشادِ خداوندی ہے کہ ﴿فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾ (آل عمران:۱۰۳) ''اس کی نوازش سے تم بھائی بھائی ہو گئے۔'' اس آیت میں اسی نعمت (مساوات) کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ کسی قوم کے افراد صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے اخوان نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ ہر پہلو سے ایک دوسرے کے ساتھ مساوات نہ رکھتے ہوں اور اس مساوات کا حصول بغیر ایک ایسے سوشل نظام کے ممکن نہیں جس کا مقصد سرمایہ کی قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھ کر مذکورہ بالا مساوات کی تخلیق اور تولید ہو۔ (زمیندار، ۲۴ جون ۱۹۲۳ء)

مسلم معاشرے کی سعادت و فلاح نظامِ عدل سے وابستہ ہے اور فرد کی سعادت اجتماعیت کی سعادت میں مضمر ہے۔ نظامِ عدل کا معاشی تصور یہ ہے کہ ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ یعنی تمام اشیائے کائنات تمام انسانوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ لہٰذا ایک انسان کو دوسرے انسان کی معاشی غلامی سے محفوظ رکھنے کے لئے

استحصال و اجارہ داری کے تمام دروازے بند ہوں۔ معاشی دستبرد کے ذریعے حاکم و محکوم اور اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز نہ ہو۔ غیر فطری و غیر انسانی اونچ نیچ یکسر ختم ہو۔ انفرادی ملکیت اجتماعی حقوق کے تابع ہو۔ ملی مصالح انفرادی مصالح پر مقدم ہوں۔ ان خصوصیات سے جو معاشی نظام تشکیل پائے گا وہ اسلام کا آئیڈیل معاشی نظام ہوگا جس کو اسلام اپنے مثالی معاشرے میں بروئے کار دیکھنا چاہتا ہے۔

اسلام میں ایک دوسرے سے الگ اور بکھرے ہوئے مسلمانوں کا کوئی تصور نہیں۔ وہ تو ایک ایسا معاشرہ بنانا چاہتا ہے جس میں مسلمان آپس میں اس طرح متحد ہوں جس طرح ایک جسم کے تمام اعضاء۔ کفر کی سب سے نمایاں خرابی آپس کا بغض اور افتراق ہے اور اسلام کی سب سے نمایاں خوبی اخوت اور اتحاد ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمام مؤمنین گویا ایک جسم کی طرح ہیں' اگر ایک آنکھ دکھتی ہے تو سارا ہی جسم دکھتا ہے اور اگر سر دکھتا ہے تو بھی سارا جسم دکھتا ہے۔'' (رواہ مسلم)

درجہ بندی کے متعلق فرمایا: ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ (الاحقاف:۱۹) ''اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں اس کے مطابق جو عمل انہوں نے کئے''۔ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ (بنی اسرائیل:۷) ''اور ہم نے نسلِ آدم کو بزرگی عطا کی۔'' اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے' کمزوروں اور مظلوموں کی مدافعت کرنے والا ایک طریقہ حیات ہے جس میں اونچ نیچ کا کوئی تصور نہیں۔ ذات اور پیشے کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں۔ تعصب اور تنگ نظری کا کوئی دخل نہیں۔ عظمت ہے تو صرف کردار کی پختگی اور اللہ تعالیٰ کی عبودیت اختیار کرنے میں ہے۔

مدینہ میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کے موقع پر انتخاب کی جگہ پر رضائے الٰہی کی مثال سے واضح ہے کہ اس کے ہاں عظمت و منزلت کا معیار کیا ہے۔ اس سے حسب و نسب اور مال و زر والوں کی قدر و قیمت عیاں ہو جاتی ہے۔ تمام انسان بلا امتیاز نفس واحدہ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا

رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ (النساء:۱) ''اے لوگو! اپنے ربّ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا۔'' مساوات کے ضمن میں قرآن حکیم میں ایک جگہ قانونِ خداوندی ہے کہ ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ (لقمان: ۲۸) ''تمہارا پیدا کرنا اور تمہارا اٹھایا جانا ایک ہی جان کی طرح ہے''۔

جس طرح جمہوریت کی نظر میں ایک ایم اے پاس اور ایک ان پڑھ کا ووٹ برابر ہے کچھ یہی انداز ہمارے ان انا پسندوں' خود داروں اور حسب ونسب کے پجاریوں کا ہے۔ ان کی نظر میں ایک انسان نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہو مگر وہ چونکہ ان کے دنیاوی رولز کے مطابق نسل انسانی کے اس معیار کے مطابق نہیں لہٰذا وہ اعلیٰ تعلیم و اخلاق اور حسن کارکردگی اور تقویٰ و پرہیزگاری کے باوجود ناکارہ' کمترین' کہترین اور معمولی ہے۔

ان اسباب وعلل کے پیش نظر انسان کی عظمت کا معیار اسلام اور ان لوگوں میں متنازع رہا ہے۔ اس پس منظر میں انسان کو اپنی غلامی اور بندگی کے داغ سے آزاد کرنے کی یہ آواز چونکہ بالکل نرالی اور انوکھی سمجھی گئی لہٰذا وقت کے سب جابر' چوہدری' سرمایہ دار' کاہن' پروہت' پجاری اور بادشاہ اس کے خلاف صف بستہ ہو گئے۔ اسلام کو پہلے ہی دن سے شدید جدوجہد اور آزمائشوں میں سے گزرنا پڑا۔ جب ہجرت کے بعد مدینہ میں اسلامی حکومت قائم ہوئی تو ان سب طبقوں کی ناراضگی پہلے سے بھی دوچند ہو گئی اور وہ فوجی طاقت' روپے پیسے' پروپیگنڈے اور سازشوں کے ہتھیاروں سے اسے مٹا دینے پر تل گئے' مگر انہیں ناکامیوں اور مایوسیوں کے سوا کچھ نہ ملا۔

روز آخر تک عقل انسانی یہ تسلیم کرتی رہے گی کہ عظمت انسان حسب ونسل میں نہیں بلکہ اس کے کردار اور اس کے اعمال میں مضمر ہے۔ یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بنی ہاشم اور ابوجہل بھی ایک ہی شاخ کے دو پھول تھے۔ بنی ہاشم اپنے نیک اعمال اور عمدہ اَخلاق کی بدولت خانہ کعبہ کے متولی ٹھہرے جبکہ ابوجہل کافر جیسے لقب سے ملقب ہوا۔ رہتی دنیا تک یہ بات اپنی اس حقیقت پسندانہ دلیل کے عوض اپنے آپ کو منواتی

رہے گی کہ انسان کی عظمت اس کے کردار میں پوشیدہ ہے۔ ہر وہ شخص کسی بھی معاشرے میں معزز سمجھا جاتا ہے جو اچھے کردار کا مالک ہو' انسانیت سے پیار کرتا ہو اور اس کے عمل سے انسان دوستی کا پہلو نمایاں ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اچھے اعمال رکھنے والا شخص دنیا کے کسی بھی خطہ سے تعلق رکھتا ہو مرنے کے بعد بھی دنیا والوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوتا ہے۔ اس کے بعد آنے والی نسلیں اس کے انجام دیئے ہوئے کارناموں کو نہ صرف یاد رکھتی ہیں بلکہ اس کی ایجادات سے فائدہ بھی اٹھاتی ہیں۔ ایسے لوگ قوم کا وہ قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں جن کا احسان قومیں ہمیشہ یاد رکھتی ہیں۔

یہ بات کہنے میں قطعاً کوئی عار نہیں کہ ایک انگریز محقق بھی جب صداقت تحریر کے لئے کچھ لکھنا چاہتا ہے تو حضرت آدمؑ جیسے نفیس مضمون کا انتخاب کرتا ہے۔ اور اس میں انسانیت کے اس درجہ کی تعریف کرتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اس شخص کی معافی ہو گی جو انسان اور انسانیت کے حقوق کا پاسدار ہوگا''۔

کسی بھی خاندان' نسل یا رنگ کو ایک دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ یہ بات کہتے ہوئے رسالت مآب سرور کونین ﷺ کا وہ خطبہ یاد آ جاتا ہے جو انہوں نے قرآن پاک کی تکمیل ہو جانے کے بعد آخری حج کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ کسی کالے کو کسی گورے پر' کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے' بلکہ سب انسان ایک ہی آدم کی نسل سے ہیں اور آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے اس خطبہ میں کسی خاندان کو اعلیٰ اور کسی خاندان کو کم تر قرار نہیں دیا گیا۔ وہ قومیں جنہیں ہم ترقی یافتہ کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کئے ہوئے اس خطبہ ہی سے فیض یاب ہوئی ہیں۔

یہ حسب و نسل کی باتیں اور یہ اعلیٰ و ادنیٰ کا فرق' یہ سب ان دنیاداروں کی باتیں ہیں جن کی اپنی کوئی بنیادیں نہیں ہوتیں۔ قومیت پرستی و انا پرستی اور حسب و نسب کی تمام پگڈنڈیوں سے ہٹ کر عظمت انسانیت کی شاہراہ اعظم پر چلنے میں ہی کامیابی و کامرانی اور اجتماعی فوز و فلاح ہے۔ مختلف تاریخی حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ چمن

انسانیت کا پھول بننے کے لئے اعلیٰ خاندان کا فرد ہونا ضروری نہیں ہے' بلکہ اعلیٰ تر کردار اور عمدہ اَخلاق کا مالک ہونا ضروری ہے۔ حسب ونسب کا تعلق تو کسی بھی فرد کے اس نام سے ہوتا ہے جس نام سے وہ معاشرے میں پکارا جاتا ہے' مگر اس کی بقا اس شخص کے اعلیٰ اوصاف' نیکی کے کام یا فلاح و بہبود کے کسی کارنامے میں ہی پوشیدہ ہوتی ہے۔

محمد علی جناح کو قائداعظم کا خطاب ان کے اس اعلیٰ کارنامے پر دیا گیا تھا جو انہوں نے برصغیر کے بکھرے ہوئے مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر کے سرانجام دیا۔ ان کے اسی کارنامے کی بدولت آج اسلامیانِ پاکستان ایک ملک کے باسی ہونے پر اپنی شناخت رکھتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ چور یا ڈاکو ہونے کے لئے غریب' لاچار یا مفلس ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ہمارے بگڑے ہوئے معاشرے میں اچھے اچھے معزز گھرانوں کے نورِنظر بھی اس فعل کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ تو کیا معاشرہ انہیں چور نہیں سمجھتا؟ یقیناً سمجھتا ہے۔ تبھی تو ہمارے اخبارات انہیں چور لکھتے ہیں' ہماری عدالتیں انہیں سزا سناتی ہیں اور ہمارا معاشرہ انہیں ٹھکرا دیتا ہے۔ نہ صرف معاشرہ بلکہ خاندان کے لوگ بھی ان سے اپنی تعلق داری کو ظاہر نہیں کرتے۔ گویا کہ کردار عظمت انسان کے لئے بیّن دلیل ہے۔ دنیا کے کونے کونے میں ان لوگوں نے ہی نام پایا ہے جنہوں نے ذات پات سے اوپر اٹھ کر انسانیت کے لئے سوچا اور کچھ کیا ہے۔ یہ دنیا جو دن اور رات کی گردش کرتے ہوئے اپنے محور کے گرد سرگرداں ہے قوموں کے لئے تاریخ بھی مرتب کرتی رہتی ہے۔

اسلام نے بنیادی انسانی حقوق کے زمرہ میں انسان کو مندرجہ ذیل حقوق سے نوازا ہے: جان کی حرمت کا حق' عزت و ناموس کا تحفظ' معذوروں اور کمزوروں کا تحفظ معاشی تحفظ' عدل و انصاف' نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون کا حق' حق مساوات' سیاسی کارفرمائی' شرکت کا حق (مثلاً آزادانہ رائے دہندگی کا حق)' آزادی

کا تحفظ' ملکیت کا تحفظ' عورتوں کی عزت و ناموس کا تحفظ' نجی زندگی کا تحفظ' ظلم و زیادتی کے خلاف احتجاج اور چارہ جوئی کا حق' اظہارِ رائے کی آزادی کا حق' آزادیٔ ضمیر و عقیدہ کا حق' مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق' آزادیٔ اجتماع کا حق' دوسروں کے اعمال سے بریٔ الذمہ ہونے کا حق اور محض شکوک و شبہات پر کوئی کارروائی نہ کئے جانے کا حق۔ یہ حقوق کسی حاکم کی دریا دلی نہیں ہوگی بلکہ خدا اور رسول مقبول ﷺ کی طرف سے دیئے ہوئے ان حقوق کا تحفظ کسی بھی اسلامی ریاست کا اوّلین اور بنیادی فریضہ سمجھا جائے گا۔ جبکہ حقوق امیر و غریب بلا امتیاز رنگ و نسل ایک ہیں تو امتیاز کا معیار تلاش کرنا پڑے گا جو کہ صرف اور صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

قاضی سلمان منصور پوری اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کوئی مَرد مَرد ہونے کی وجہ سے اور کوئی عورت عورت ذات ہونے کی وجہ سے قابلِ عزت یا قابلِ نفرت نہیں۔ عزت و ذلت کا مدار انسان کے اعمال پر ہے''۔ (الجمال والکمال)

اخوت و مساوات بھی مسلمانوں کا بنیادی حق ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کی رو سے سب مسلمان یا مؤمن بھائی بھائی ہیں۔ (الحجرات:۱۰) چنانچہ ایسا کرنا اور سمجھنا حضور ﷺ کی سنت حسنہ ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں تشریف لاتے ہی مہاجرین اور انصار میں مواخات کا نظام قائم کر دیا تھا۔ یہ انقلاب آفرین انتظامِ مواخات اخوت و مساوات کا عملی مظاہرہ تھا۔ اس مثالی اور اہم ترین نظامِ مواخات کی افادی اقدار کی غیر معمولی اہمیت کو دیکھ کر مغرب کے ممالک نے بالخصوص کفالت کا نظام قائم کیا ہے۔ لیکن پاکستان میں اخوت و مساوات کے فقدان کے ذمہ دار ہمارے جاگیردار اور وڈیرے ہیں جو حسب و نسب کے دعوے دار ہیں۔

اسلام میں کسی گورے کو کالے پر فوقیت نہیں' نہ عربی کو عجمی پر۔ بلال حبشی کو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ''سیّدنا'' کہہ کر پکارتے تھے۔ نماز میں صف بندی اس دنیاوی اونچ نیچ کے خاتمہ کی بیّن اور روشن دلیل ہے' جسے اقبال نے ان الفاظ میں واضح کر دیا ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

اسلام ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ پہلے بھی اور آج بھی معاشرے کا نچلہ طبقہ جسے اونچا طبقہ دھتکار دیتا ہے' وہ اسلام کے دامن امن میں پناہ لیتا ہے۔ جولائی ۸۱ء کے اخبار دیکھئے' جنوبی بھارت میں اونچی ذات کے ہندوؤں کے مظالم سے تنگ آ کر ۱۳۰۰ ہریجنوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (نوائے وقت ۴ جولائی ۱۹۸۱ء) مگر اسلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اپنے دامن میں پناہ لینے والوں کو یکساں نظر سے دیکھتا ہے' اونچ نیچ کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انتخاب کے بعد پہلے خطبہ میں فرماتے ہیں کہ تمہارا کمزور میری نگاہ میں قوی ہے اور قوی میری نگاہوں میں کمزور ہے۔ دورِ فاروقی میں شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو رومیوں کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ شہنشاہ کا دربار اور اس کی شان و شوکت دیکھ کر آپ نے فرمایا:

''تم کو اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شہنشاہ کی رعایا ہو جس کو تمہاری جان و مال کا اختیار ہے' لیکن ہم نے جس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اسے کوڑے لگائے جائیں' چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں۔ وہ پردے میں نہیں بیٹھتا۔ اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا۔ مال و دولت میں اس کو ہم پر ترجیح نہیں''۔

(الفاروق' از شبلی نعمانی' ص ۱۲۵' مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز)

اسلامی دعوت کا مرکزی نقطہ لا الٰہ الا اللہ ہے' جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' کوئی حاکم' کوئی فریادرس اور کوئی قانون ساز نہیں۔ اس دعوت کو بلند کرنے والے پیغمبر ہر زمانے میں انسانی حریت و مساوات کی اس پکار کو جب بھی لوگوں کے سامنے بلند کرتے رہے بادشاہوں' خود ساختہ معبودوں' چوہدریوں' کاہنوں' پروہتوں اور پجاریوں کی جماعتیں ان پر پل پڑیں۔ ان میں کسی نے بھی اس دعوت کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ اس پکار کا انجام یہ ہو گا کہ استحصال'

ملوکیت' آمریت اور انسان کے لئے انسان کی غلامی کی تمام شکلیں ختم ہو جائیں گی اور سب انسان ایک سطح پر آ جائیں گے۔ کوئی کسی سے عبادت وعبودیت کا مطالبہ نہ کر سکے گا۔ پس ان کے نزدیک بہتر یہی تھا کہ اس آواز کا گلا گھونٹ دیا جائے۔ بالخصوص سرور انبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی جس قدر مخالفت ان تمام طبقوں کی طرف سے ہوئی ہے وہ تو رہتی دنیا تک ایک مثال بن چکی ہے۔

ان مخالفین میں ابوجہل اور ابولہب وغیرہ سرفہرست رہے ہیں۔ ذاتی برتری وانا پسندی نے انہیں دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے دُور رکھا۔ وہ کیا بات تھی' صرف اور صرف غرور اور خود پسندی۔ حسبی ونسبی غرور میں غرق رہنا ان کی تباہی و بربادی کا سبب بنا' جبکہ دین اسلام میں تو صرف باہمی اخوت' بھائی چارے اور ایک دوسرے کا ہمدرد ہونے کا سبق ملتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ ربّ العزت ہے:

﴿فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾ ''اس کی نوازش سے تم بھائی بھائی ہو گئے''۔

وہ بات جس کی وجہ سے تمام بنی نوعِ انسان آپ کی طرف کھنچتے چلے آئے' آپ کی بے لوث خدا پرستی اور آپ کا تمام ذاتی' خاندانی اور نسلی مفادات سے بالاتر ہونا تھا۔ جب آپ نے یہ آوازہ بلند کیا کہ بلال حبشی سردارانِ عرب سے افضل ہیں اور ہر طرح کی فضیلت اور شرف تقویٰ اور پرہیزگاری کی بناء پر ہے' قریشی اور ہاشمی ہونے کی بناء پر تمہیں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے' تو قریش اور عرب کے سردار حضور اکرم ﷺ کے خون کے پیاسے ہو گئے۔

دوسری طرف کارل مارکس اور لینن نے اپنے معاشرے کے مختلف طبقوں کو آپس میں گتھم گتھا کر دیا' لیکن حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات ہیں کہ ((مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا)) ''جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں''۔

غرض ان حالات میں انسانی مساوات کی آواز رسول خدا ﷺ نے بلند کی۔ اسلام کے بنیادی عقیدۂ توحید کی رو سے بندگی' عبادت اور حاکمیت صرف اللہ کا حق ہے

جو کائنات کا خالق و مالک اور قادر مطلق ہے۔ سب انسان برابر ہیں۔ انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنے جیسے انسان کو اپنی غلامی اور بندگی کے داغ سے ملوث کرے۔ یہ آواز چونکہ بالکل نرالی اور انوکھی سمجھی گئی لہٰذا وقت کے سب جابر' چوہدری' سرمایہ دار' کاہن' پروہت' پجاری اور بادشاہ اس کے خلاف صف بستہ ہو گئے۔ اسلام کو پہلے ہی دن سے شدید جدوجہد اور آزمائشوں میں سے گزرنا پڑا۔ رسول اکرم ﷺ جب تشریف لائے تو ساری دنیا بالعموم اور ملک عرب بالخصوص جنگ و جدال میں غرق تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر غیر مختتم جنگوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور صدیوں تک جاری رہتا۔ قبائل ایک دوسرے سے ہر وقت ٹکراتے رہتے۔ لوٹ مار کو باعث فخر سمجھا جاتا۔ میدان جنگ میں کسی اخلاقی ضابطے کی پابندی نہ کی جاتی۔ عہد شکنی ایک معمولی بات تھی۔ طاقتور لوگ حیلے بہانے سے کمزوروں پر حملہ آور ہو جاتے اور انہیں تباہ و برباد کر ڈالتے۔ عوام کی عزت و ناموس اور جان و مال ہر وقت خطرے میں رہتے۔ عرب میں تو کوئی باضابطہ مرکزی حکومت بھی نہ تھی اور ہر قبیلے کا اپنا نظامِ حکومت تھا' مگر روم و ایران کی عظیم مہذب حکومتیں بھی جنگ و جدل میں کسی قاعدے اور قانون کی پابند نہ تھیں۔ ہندوستان کے آریہ حکمران زندگی اور عیش و آرام کو صرف اپنا حق سمجھتے تھے۔ انہوں نے انسانوں کو چار مشہور ذاتوں میں تقسیم کر لیا تھا' برہمن' کھتری' ویش اور شودر۔ پہلے تین طبقے آریاؤں میں سے تھے۔ برہمن مذہبی پروہت اور اجارہ دار تھے' کھتری نظری حقوق کی بناء پر حکومت کے لئے پیدا ہوئے تھے اور ویش صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت کرتے تھے۔ چوتھا طبقہ غیر آریائی نسل سے تعلق رکھتا تھا اور اسے کوئی انسانی حقوق حاصل نہ تھے۔ وہ پیدائشی طور پر اچھوت' ذلیل' جہنمی اور قابل نفرت سمجھا جاتا تھا۔ آریاؤں نے اس ملک میں آنے کے بعد آبادیوں کو نذر آتش اور ان کے باشندوں کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ چنانچہ ملک کے اصل باشندے جنگلوں اور پہاڑوں کی غاروں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ بعد میں یہی لوگ دراوڑ' بھیل' سنتھال اور سانس وغیرہ کے نام سے مشہور ہوئے اور انگریزی راج میں انہیں جرائم پیشہ اقوام کی فہرست میں رکھا گیا۔

(باقی صفحہ ۶۴ پر)

امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ

۱۳۵ھ ــــ ۱۹۸ھ

عبدالرشید عراقی

امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کا شمار اُن ممتاز تبع تابعین میں ہوتا ہے جن کو حدیث نبوی ﷺ میں خاص مہارت حاصل تھی۔ حدیث نبویؐ کے متعلقہ علوم یعنی اصولِ حدیث، جرح و تعدیل، نقد و تمیز اور روایت و درایت میں ان کو مکمل دسترس حاصل تھی، اور ان کا ان علوم میں صاحب کمال ہونے کا بڑے بڑے نامور محدثین کرام اور اربابِ سیر نے اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''عبدالرحمٰن بن مہدی اپنے زمانے میں اصحابِ حدیث کے امام تھے اور حدیث کے تمام علوم و معارف میں انہی پر اعتماد تھا۔''(۱)

امام احمد بن حنبلؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ابن مہدی وکیع بن جراح سے زیادہ قابل وثوق ہیں اور ان کے قابل وثوق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اُن کا عہد تدوین و تحریر سے زیادہ قریب ہے۔ یعنی ان کے زمانہ میں حدیث کی تدوین و تحریر کا کام عام طور پر شروع ہو گیا تھا اور وکیع بن جراح کے زمانہ میں ائمہ کرام زیادہ تر زبانی ہی روایات کرتے تھے''۔(۲)

حدیث میں ان کے صاحب کمال ہونے کا بیشتر مؤرخین اسلام اور محدثین عظام نے اعتراف کیا ہے۔ علامہ سمعانی ''کتاب الانساب'' میں لکھتے ہیں:

''عبدالرحمٰن بن مہدی پختہ کار حافظ، صاحب تقویٰ اور جامع حدیث تھے۔ انہوں نے تفقہ پیدا کیا، کتابیں تصنیف کیں اور حدیث کا درس دیا۔ وہ بجز ثقاہت کے کسی اور سے روایت نہیں کرتے تھے اور انہوں نے ایک ایسی جماعت سے روایتیں نقل کی ہیں جس نے صحابہ کرام کو پایا تھا۔''(۳)

امام عبدالرحمٰنؒ کی کنیت ابوسعید تھی۔ والد کا نام مہدی تھا، جو بصرہ کے رہنے والے